المراد
ملقب بہ
تمیز المرغوبۃ من المرہوبۃ

فی نفسہ نہ کوئی شے بری ہے نہ اچھی۔ یہ اپنے حسن وقبح میں اپنے مضاف الیہ یعنی مراد پر موقوف ہے۔ اگر اچھے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ عمدہ ہے اور برے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ برا ہے کسی عمل پر جزاوسزا بدوں ارادہ کے مرتب نہیں ہوتی اور ارادہ پر بدوں عمل کے بھی گناہ وثواب لکھا جاتا ہے لیکن اگر بدوں ارادہ کے کوئی گناہ بھول چوک سے ہو گیا تو وہ معاف ہے جس کے لیے حق تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا. (البقرہ ۲۸۶)

دنیا وآخرت کو مراد بنانے کے آثار واحکام کے متعلق یہ وعظ جمعۃ المبارک مورخہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ کو مراد آباد کی جامع مسجد میں کھڑے ہو کر تقریباً پانچ ہزار سامعین کو سنایا گیا جس پر ۲ گھنٹے ۵ منٹ لگے اور جسے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمایا۔ اس وعظ کے نام کی نسبت تو شہر کے نام سے ہے اور لقب کی نسبت ایک لڑکی کے نام سے ہے جس کے نکاح کی تقریب پر یہ وعظ ہوا جو اس خوش بخت کے عقد کی تاریخی یادگار رہے۔ اس وعظ کا کچھ حصہ نماز جمعہ سے قبل ہوا اور کچھ بعد نماز۔

www.besturdubooks.net

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا. كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا. اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا. (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۸ تا نمبر ۲۱)

ترجمہ: جو شخص دنیا (کے نفع) کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے۔ پھر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ (درگاہ) ہوکر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت (کے ثواب) کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنا چاہیے ویسی ہی سعی بھی کرے گا۔ بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی یہ سعی مقبول ہوگی۔ آپ کے رب کی (اس) عطاء دنیوی میں سے بھی تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اوران کی بھی اور آپ کے رب کی (یہ) عطاء دنیوی کسی پر بند نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔

مقصود بیان

اس وقت جو آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں سب کا بیان کرنا مدنظر بھی نہیں۔ مقصود صرف اول کی دو آیتوں کی بابت کچھ عرض کرنا ہے ان دونوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے دو ارادوں کا ذکر فرمایا

www.besturdubooks.net

ہے ایک ارادہ دنیا‘ دوسرا ارادہ آخرت اور ساتھ ساتھ دونوں کے ثمرات بھی مذکور ہیں۔ یہ مضمون اگرچہ بارہا کانوں میں پڑا ہوگا مگر اب تک اس کو سرسری طور سے سنا گیا اور یہی وجہ ہے اس کے مؤثر نہ ہونے کی کیونکہ اگر مؤثر ہوا ہوتا تو اس کی علامات و آثار موجود ہوتے۔ اس وقت اس مضمون کو اسی لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جو اثر اس کا ہونا چاہیے تھا وہ ابھی تک نہیں ہوا اور اس کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا اس لیے اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی جاتی ہے کہ اس کو سرسری نہ سمجھا جائے اور مثل سابق بیانات کے اس کو بے توجہی سے نہ سنا جائے کیونکہ اس طرح سننا نہ سننا برابر ہے۔ کسی مضمون کا کانوں میں پہنچنا اس کا نام نہیں ہے کہ اس کو بے توجہی کے ساتھ سن لیا جائے کیونکہ قرآن شریف میں کفار کے بارے میں جا بجا ارشاد ہے کہ یہ قرآن کو سنتے نہیں‘ بہرے ہیں۔ حالانکہ آواز تو ان کے کانوں میں پہنچتی تھی بلکہ سننا اس کا نام ہے کہ مضمون سن کر اس میں تدبر کیا جائے‘ پھر عمل کیا جائے۔ سورہ صٓ میں صاف صاف مذکور ہے کہ ہم نے قرآن تدبر و تذکر کے واسطے نازل کیا ہے۔ قال تعالیٰ:

كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (صٓ:۲۹)

ترجمہ: ”یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس واسطے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔“

اور بھی جا بجا قرآن شریف میں تدبر نہ کرنے کی شکایت ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ. (کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے)

ہم لوگوں میں بڑی کمی یہ ہے کہ قرآن شریف میں تدبر نہیں کرتے۔ اس کا مطلب لوگ یہ سمجھے ہوں گے کہ ترجمہ قرآن دیکھنا چاہیے مگر صرف اتنا کافی نہیں کیونکہ جو لوگ ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں ان میں یہ بھی کمی موجود ہے کہ وہ تدبر نہیں کرتے۔ محض سرسری طور پر اس کو پڑھ جاتے ہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ پھر کیا مطلب ہے۔ کیا سب مسلمانوں کو مولوی بن جانا چاہیے‘ نہیں صاحبو! میں آپ کو مولوی بننے کی صلاح نہیں دیتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ قرآن میں سے جو ضروری حصہ عمل کے لیے علماء نے مدون کردیا ہے جس کا نام علم عقائد و علم اخلاق و علم فقہ ہے آپ لوگ اس میں توجہ نہیں کرتے۔

تدبر فی القرآن

قرآن میں تدبر کرنے کے یہی معنی نہیں کہ قرآن سامنے رکھ کر ہی اس میں غور کیا جائے

www.besturdubooks.net

بلکہ یہ بھی تدبر فی القرآن میں داخل ہے کہ جن کتابوں میں مضامین قرآن مذکور ہیں۔ان میں غور و محنت سے کام لیا جائے۔اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں میں ترجمہ نہ جاننا کوئی کمی نہیں کیونکہ ترجمہ قرآن ہر شخص نہیں جان سکتا اس لیے ہر شخص کو مولوی بننا تو دشوار ہے اور جو طریقہ مشہور ترجمہ دیکھنے کا ہے کہ قرآن مترجم لے کر دیکھ لیا اس کو میں خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ طریقہ ناکافی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے' ترجمہ اردو کا مطالعہ بھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ طریقہ ناکافی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے' واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ ترجمہ دیکھنے والوں کو بہت سے مضامین کا سمجھانا دشوار ہو گیا کیونکہ بہت سے مضامین کا سمجھانا مبادی پر موقوف ہوتا ہے اور مبادی قرآن صرف ونحو بلاغت و ناسخ ومنسوخ و اصول وفقہ وغیرہ ہیں جب تک کوئی شخص مبادی سے جاہل ہے وہ ان مضامین کو کس طرح سمجھ لے گا جو کہ ان پر موقوف ہیں۔

پھر مصیبت یہ ہے کہ آج کل پوچھنے کی عادت بھی لوگوں میں کم ہے۔اگر کہیں شبہ پڑتا ہے تو اکثر تو اپنی رائے سے اس کا مطلب تراش لیتے ہیں جس سے اکثر کے عقیدے فاسد ہو جاتے ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عوام کو مضامین قرآن سے فیض یاب ہونے کا کوئی طریقہ نہ رہا۔ اس کا جواب ایک تو میں پہلے دے چکا ہوں کہ جو کتابیں سلیس مضامین میں لکھی گئی ہیں ان کا مطالبہ تدبر کے ساتھ کیا جائے۔ نیز جو لوگ مضامین قرآن اور علوم حقہ اپنے وعظ میں بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کا وعظ غور سے سنا جائے۔علاوہ ازیں نفس ترجمہ قرآن سے منتفع ہونے کا بھی ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ آج کل دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جن کو تحصیل علوم کے لیے فراغت مل سکتی ہے۔ان کو تو چاہیے کہ بنام خدا اول مبادی قرآن محنت سے حاصل کریں پھر ترجمہ قرآن دیکھیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو اس قدر فراغت میسر نہیں آ سکتی۔ان کو چاہیے کہ پہلے کسی معتبر عالم سے مشورہ کریں کہ مجھے ترجمہ قرآن کون سا لینا چاہیے' کون سا ترجمہ قرآن صحیح اور معتبر ہے۔اپنی رائے سے خود تعین نہ کریں'لوگوں نے آج کل تراجم کے لیے خود ہی ایک معیار مقرر کر لیا ہے مگر اس معیار کا غلط ہونا میں ابھی ثابت کر دوں گا۔

ٹکسالی تراجم

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ و مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ ٹکسالی ترجمہ ہے کہ بالکل صحیح اور معتبر ہے۔مگر بوجہ زبان بدل جانے کے اور نیز بعض میں محاورات زبان کی رعایت نہ کرنے کے وہ پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔خیر پھیکے ہوا کریں مگر جو مقبولیت ان

www.besturdubooks.net

کو حاصل ہے وہ دوسرے ترجموں کو حاصل نہیں۔ یہ ان حضرات کے خلوص کی برکت ہے آج کل لوگوں نے عمدہ ترجمہ کا معیار یہ قرار دے رکھا ہے کہ رنگین عبارت ہو۔ کیوں صاحبو! اگر دو حکیم ہوں جن میں سے ایک تو ماہر ہے مگر وہ نسخہ پھیکا لکھتا ہے اور دوسرا حکیم بڑی رنگین عبارت سے نسخہ لکھتا ہے مگر ماہر نہیں ہے۔ انصاف سے بتلایئے کہ کس کے نسخہ کی آپ قدر کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ماہر فن کے نسخہ کی ہر شخص قدر کرے گا اور اس کے مقابلہ میں اس غیر ماہر کے رنگین نسخہ کو کوئی بھی نہ پوچھے گا اور یہی کہا جائے گا کہ ہم کو مقصود علاج کرنا اور دوا کا استعمال کرنا ہے اس رنگینی کو لے کر کیا پھونکیں۔

صاحبو! اگر ہم قرآن کو کتاب علاج روحانی سمجھتے تو تراجم کے اندر بھی اسی بات کو ملحوظ کرتے کہ کون سا ترجمہ ماہر فن کا ہے کہ اس کا معتبر جان کر اس پر عمل کیا جائے اور کون سا غیر ماہر کا ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ وہ کیسا ہی رنگین کیوں نہ ہو کیونکہ مقصود تو عمل ہے اور اس میں رنگینی عبارت کو کوئی بھی دخل نہیں مگر ہم لوگ قرآن کو قصہ کہانی کی کتاب سمجھ کر دیکھتے ہیں۔ جب ہی تو رنگین ترجمہ کی قدر ہوتی ہے۔ اگر ترجموں کے مطالعہ سے مقصود عمل ہوتا تو رنگینی پر نظر نہ ہوتی بلکہ مقصود پر نظر ہوتی۔ اگر رنگین عبارت دیکھنے کا شوق ہے تو اس کے لیے ترجمہ قرآن کا کیوں انتخاب کیا جاتا ہے۔ عمدہ زبان تو قصہ چہار درویش کی ہے اس کا مطالعہ کر لیا کیجئے۔ ترجمہ قرآن کو خواہ مخواہ کیوں تکلیف دی۔ غرض صحیح معیار عمدہ ترجمہ قرآن کا یہ نہیں جو آج کل عوام کا مذاق ہو گیا بلکہ صحیح معیار وہ ہے جو میں نے بیان کیا کہ معتبر ماہر فن کا ترجمہ لیا جائے پھر اس کو کسی معتبر عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے۔ بدوں اس کے ترجمہ دیکھنا کافی نہیں۔

اسی طرح ترجمہ سمجھنے کے لیے محض ادب دانی کافی نہیں آج کل لوگوں میں یہ بھی بڑی کوتاہی ہے کہ ان لوگوں کی بڑی قدر کرتے ہیں جو عربی میں تقریر و تحریر کر لیا کریں اور اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں مگر قرآن سمجھنے کے لیے محض ادب دانی کافی نہیں اور میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ اگر قانون کی کتاب ایک شاعر سے پڑھی جائے جس کی زبان بہت عمدہ ہے مگر قانون سے اس کو مس نہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جو زبان دانی میں حصہ کم رکھتا ہے مگر قانون سے پورا واقف ہے۔ اب اگر کتاب قانون کی کسی عبارت میں دونوں کا اختلاف ہو۔ شاعر کچھ مطلب بیان کرے اور قانون دان وکیل کچھ اور کہے۔ عقلاء زمانہ انصاف سے بتلائیں کہ اس صورت میں کس کا قول قابل توجہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ قانون دان وکیل کے سامنے زباندان شاعر کا قول ایک کوڑی کو بھی نہ پوچھا جائے گا' زبان آ جانے سے فن سہل نہیں ہو سکتا۔

www.besturdubooks.net

ضرورت استاد

اس لیے ترجمہ پڑھنے کے لیے کسی قانون شریعت جاننے والے مولوی کو منتخب کیا جائے اور اس سے تمام ترجمہ پڑھ لیا جائے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جب قرآن کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے تو اب اس کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو خود ہماری زبان ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ ترجمہ سے صرف عربی ترکیب اور لغات حل ہو جائیں گے مگر قرآن کوئی مقامات حریری تو نہیں کہ صرف حل ترکیب ولغات اس کے معنی سمجھنے کے لیے کافی ہو جائے۔ قرآن میں تو بڑے بڑے علوم یعنی عقائد وتزکیہ اخلاق وفقہ مذکور ہیں۔ جب تک ان کو نہ بیان کیا جائے اس کا مطلب حل نہیں ہوسکتا اور جو شخص ان علوم سے خود ہی واقف نہیں اور نہ کسی واقف سے پڑھتا ہے وہ اگر خالی ترجمہ دیکھے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ مرجیہ وقدریہ کا ہم عقیدہ ہو جائے کیونکہ ہر فن وہر کتاب کی خاص اصطلاحیں ہوتی ہیں جو محض ترجمہ سے بدوں استاد کے بتلائے حل نہیں ہوسکتیں۔ یہ شخص قرآن کا مطلب ویسے ہی سمجھے گا جیسا کہ کسی شخص نے گلستان کے اس شعر کا مطلب سمجھا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست　　　در پریشاں حالی و در ماندگی!

اس شخص نے بھی اس شعر کا محض ترجمہ دیکھا تھا کہ دوست وہ ہے کہ پریشان حالت وخستگی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ اس نے ترجمہ ہی پر عمل کیا کہ ایک روز کسی موقع پر اپنے ایک دوست کو پٹتے ہوئے دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے، دشمن نے اور جی کھول کر اسے پیٹا۔ اس نے ہر چند ہاتھ چھڑائے مگر اس نے نہیں چھوڑے، جب وہ خوب پٹ چکے اور مارنے والے نے بھی مار کر چھوڑ دیا تو اس دوست کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اسے بہت برا بھلا کہا کہ ایسے وقت میں امداد تو نہ ہوسکی اور الٹا دوستی کا یہ حق ادا کیا کہ میرے ہاتھ بھی پکڑ لیے۔ اب یہ حیران ہے کہ میں نے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کے موافق دوستی کا حق ادا کیا تھا۔ یہ خفا کیوں ہوتا ہے اور اس سے کہا کہ بھائی! میں نے دوستی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی، میں نے تو وہی کیا جو گلستاں میں شیخ فرماتے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

(دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے)

تو صاحبو! اس شخص نے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں کی تھی البتہ ایک کمی تھی کہ جائے استاد خالی است۔ اس نے ترجمہ خود ہی دیکھا تھا، کسی سے پڑھا نہ تھا۔ پس جب گلستاں سمجھنے کے لیے باوجود یہ کہ وہ کوئی بڑی علمی کتاب نہیں، محض ترجمہ دیکھنا بعض عقلاء کو غلطی میں ڈال دیتا ہے تو قرآن کا

www.besturdubooks.net

ترجمہ دیکھنا کیونکر کافی ہو جائے گا اور اس میں غلطی کا کیوں احتمال نہ ہوگا۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ترجمہ قرآن بھی بدوں پڑھے نہیں آسکتا تو ترجمہ کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی، اس سے کیا نفع ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترجمہ سے نفع یہ ہوا کہ آپ کو عربی صرف ونحو ولغت پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیا یہ تھوڑا نفع ہے اگر ترجمہ نہ ہوتا تو پہلے صرف ونحو میں دماغ صرف کرنا پڑتا، پھر کہیں برسوں کے بعد اس قابل ہوتے کہ ترجمہ قرآن سمجھ سکیں۔ اب اتنی آسانی ہے کہ جیسا چاہو ترجمہ کسی مولوی سے شروع کر سکتے ہو۔ یہ تھوڑا نفع ہے باقی ترجمہ کرنے والوں کو یہ ہرگز مقصود نہیں کہ کسی سے پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

صاحبو! ذرا دنیا کے کاموں پر نظر کرو کہ ذرا ذرا سا کام بھی بدوں استاد کے بتلائے نہیں آتا۔ نجاری یعنی بڑھئی کا کام ذرا کوئی بدوں سیکھے کر تو لے یقیناً اپنے ہاتھ پیر کاٹے گا حالانکہ بار ہا بڑھئی کو کاٹتے چھیلتے دیکھا ہوگا۔ وہاں کوئی نہیں کہتا کہ بس ہم نے طریقہ دیکھ لیا ہم بھی ایسے ہی کریں گے۔ ان باتوں میں ساری دنیا کا اتفاق ہے کہ بھائی صرف دیکھ لینا کافی نہیں جب تک کہ باقاعدہ استاد سے نہ سیکھا جائے۔ افسوس قرآن کو ایسا معمولی کلام سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ترجمہ خود دیکھ لینا کافی ہوگیا۔ صاحبو! آپ کو اس سے تعجب ہوگا کہ میری عمر پچاس سال سے متجاوز ہوگئی اور لکھنے پڑھنے کا اس عرصہ میں بہت ہی کام رہا مگر آج تک قلم بنانا مجھے نہیں آتا کیونکہ کسی سے سیکھا نہیں۔ یونہی الٹا سیدھا کاٹ چھیل کر کام چلا لیتا ہوں۔ جب خسیس سے خسیس فن بدوں استاد سے سیکھے نہیں آسکتا تو ترجمہ قرآن کی بابت کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں بدوں استاد کے سمجھ لیتا ہوں اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کا امتحان اس طرح کر لیں کہ پہلے خود سارا ترجمہ قرآن دیکھ جائیں اس کے بعد کسی عالم سے پڑھیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد خود ہی اپنے کو جاہل کہیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ محض ذہین ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تدبر قرآن کے لیے سب کو مولوی بننا ضروری نہیں بلکہ قرآن میں تدبر کی اور بھی سہل صورتیں ہیں جو بدوں مولوی بنے حاصل ہو سکتی ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جب بدوں ترجمہ پڑھے تدبر نہیں ہو سکتا تو قرآن کی تلاوت کرنا بھی فضول ہوا۔ بات یہ ہے کہ فضول اور بے کار وہ ہے جس میں کوئی نفع نہ ہو۔

فوائد تلاوت

قرآن میں منافع بہت سے ہیں۔ ایک نفع تو بعد فہم کے اس پر عمل کرنے کا ہے۔ دوسرا فائدہ

www.besturdubooks.net

ثواب ہے تو بدوں معنی سمجھے پڑھنا فضول اس وقت ہو جبکہ اس کو ثواب نہ ملے۔ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کو ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف تو الم میں تین حرف ہوئے۔ اس کی تیس نیکیاں ہوئیں اور بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں الف اور لام اور میم میں سے ہر ایک کو ایک حرف نہیں کہتا بلکہ لفظ الف میں جو اول الف آیا ہے وہ ایک حرف ہے اور لفظ لام میں جو اول لام بولا گیا وہ ایک حرف ہے اور لفظ میم میں جو اول میم بولا گیا وہ ایک حرف ہے۔ تو گویا آپ نے ہر حرف کے سرے کو بیان کیا ہے اور باقی کو قیاس پر چھوڑ دیا۔ اس حساب سے الم میں نو حرف ہوئے اور اس میں نوے نیکیاں ہوئیں تو یہ قرآن کا تھوڑا نفع ہے کہ بے سمجھے پڑھنے سے بھی ایک لفظ میں نوے نیکیاں مل گئیں اور ہمارا کچھ خرچ بھی نہیں ہوا اور یہ ثواب کوئی حروف مقطعات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ تو ایک تمثیل تھی۔ قرآن کے ہر لفظ کا یہی ثواب ہے۔ سورۃ فاتحہ ہم پڑھتے ہیں جہاں زبان سے الحمد نکلا تو اس میں پانچ حرف ہیں، معاً پچاس نیکیاں لکھی گئیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم لوگ اس کو نفع نہیں سمجھتے مگر مر کر اس کی قدر معلوم ہوگی۔

اس کی بعینہ ایسی مثال ہے کہ دو شخص مکہ جانے والے ہیں اور معلوم ہے کہ یہ تانبے کا پیسہ وہاں بالکل نہیں چلتا۔ ایک نے تانبے کے پیسوں سے دوسرا سکہ چاندی کا جو کہ وہاں رائج ہے، خرید لیا۔ دوسرا شخص جو کہ مکہ کی حالت سے لاعلم ہے اور اس کو خبر نہیں کہ وہاں کس سکہ کی ضرورت ہوگی اس پر ہنستا ہے اور اس کو بیوقوف بناتا ہے اور کہتا ہے جب یہ پیسہ یہاں کارآمد ہے تو وہاں بھی ضرور کام دے گا۔ اس نے صرف پیسے ہی پیسے ساتھ باندھ لیے مگر ایک تیسرا شخص جو کہ مکہ ہو کر آیا ہے فیصلہ کرے گا کہ پہلا شخص بیوقوف نہیں بلکہ وہ عاقل ہے اور دوسرا شخص بے وقوف ہے۔ اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ میں جہاں جا رہا ہوں وہاں کا کیا دستور ہے مگر ابھی تک اس ثالث کے فیصلے کی کسی کو قدر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ دونوں شخص مکہ پہنچے۔ اب دونوں کی حالت میں کھلا ہوا فرق نظر آئے گا۔ پہلا شخص جو کہ میں چلنے والا سکہ ساتھ لایا ہے وہ تو ہر دکان پر جاتا ہے اور بے تکلف ضرورت کی چیز لے آتا ہے اور دوسرا جس کی تھیلی میں تانبے کے پیسے ہی پیسے ہیں ہر ضرورت کے وقت دوسروں کا منہ تکتا ہے اور اب اپنی حماقت پر روتا ہے کہ افسوس میں نے عقلاء کے مشورہ پر عمل نہ کیا اور اب یہ پیسے تو یہاں بالکل فضول ہیں، کس طرح کھانا خریدوں؟ کہاں سے پانی خریدوں؟ کس طرح دن کٹیں گے؟

اسی طرح ان نیکیوں کی قدر ہم کو آخرت میں ہوگی کیونکہ یہ وہیں کا سکہ ہے وہاں آپ کے

www.besturdubooks.net

یہ روپے پیسے کام نہ دیں گے اور وہاں سب کو جانا ہے اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا۔ جب بازار قیامت قائم ہوگا وہاں بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک وہ جو کہ وہاں کے سکے یعنی نیکیاں پلے باندھ کر لائے ہیں وہ تو بے تکلف ہر قسم کی راحت حاصل کرلیں گے۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت کو بھولے ہوئے تھے اور اس وجہ سے کچھ نیکیوں کا ذخیرہ ساتھ باندھ کر نہیں لائے ان کا یہ حال ہوگا۔

کہ بازار چندآنکہ آگندہ تر تہی دست را دل پراگندہ تر

(جس طرح بازار طرح طرح کی چیزوں سے بھرا ہوگا اسی قدر تنگ دست شخص کا دل زیادہ پریشان ہوگا)

اس وقت آپ ان لوگوں کی قدر کریں گے جن کو آج مولویوں کا بگاڑا ہوا کہا جاتا ہے۔ اس دن وہ احمق جن کی حماقت پر آج کل کی نئی روشنی نے رجسٹری کردی ہے عاقل کہلائیں گے اس وقت حیرت ہوگی کہ یہ لوگ جن کو ہم ذلیل سمجھتے تھے بڑے باشوکت ہیں اور آج ہم ان کے آگے ذلیل ہیں۔

اہمیت اعمال

صاحبو! وہاں بجز اعمال صالحہ کے کچھ کام نہ آئے گا اور یہ بھروسہ نہ کرنا کہ ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے ان سے کچھ نیکیاں بٹوالیں گے وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اور وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہے اور بدی زیادہ ہوں تو دوزخی ہے اور دونوں برابر ہوں تو چندے اعراف میں رکھا جائے گا۔ اس قاعدہ کے موافق اس شخص سے ارشاد ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے تم کو مل جائے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ وہ شخص خوش ہوگا کہ میرے ماں باپ بیوی بچے دوست احباب بہت سے ہیں کسی سے ایک نیکی کا مل جانا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور جاکر باپ سے اپنی حالت عرض کرے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے تم میرے باپ ہو میرے حال پر رحم کرو ایک نیکی دے دو۔ وہ صاف جواب دے دے گا کہ یہاں ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے تجھے ایک نیکی کیسے دے دوں' ماں بھی اسی طرح جواب دے گی' اولاد بھی ٹکا سا جواب دے گی' دوست احباب بھی دور کی سنائیں گے۔ آخر نہایت مایوس ہوکر لوٹے گا' راستہ میں ایک شخص سخی ملے گا جس کے پاس صرف ایک ہی نیکی ہوگی وہ اس سے پوچھے گا کہ میاں پریشان کیوں ہورہے ہو' کیا بات ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میری پریشانی کا

www.besturdubooks.net

علاج ہوسکتا تو میں ظاہر بھی کرتا مگر اس کا علاج کسی سے نہیں ہوسکتا ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہے' ظاہر کرنے سے کیا فائدہ۔ ماں باپ' اولاد و اقارب' دوست احباب سب جواب دے چکے' تم کیا کرلو گے؟ وہ کہے گا تم اپنا حال تو کہو' شاید میں اس میں کچھ ساتھ دے سکوں۔ غرض بعد کلام بسیار یہ اپنا حال کہے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت تھی۔ وہ شخص جواب دے گا کہ میرے پاس کل ایک نیکی ہے اور وہ میرے کسی کام کی بھی نہیں کیونکہ گناہ بہت زیادہ ہیں میں تو جہنم میں جاؤں گا یہ نیکی ہوئی تو کیا نہ ہوئی تو کیا' لے نیکی تو ہی لے جا' تیرے ہی کام آ جائے گی۔ یہ شخص حیران ہوگا کہ یا اللہ! یہ کون سخی ہے جو اس طرح بے خبر اپنی نیکی دے رہا ہے۔ صاحبو! وہاں بھی یہ اہل دل ہی سخاوت کریں گے اور یہی مخلوق پر رحم کریں گے' ماں باپ کچھ کام نہ آئیں گے' غرض یہ شخص خوش ہو کر وہ نیکی لے کر لوٹے گا اور دربار الٰہی میں پیش کردے گا وہ تو بموجب اس قاعدہ کے بخش دیا جائے گا کیونکہ نیکیاں غالب ہوگئیں۔

اس کے بعد اس سخی صاحب کو بلایا جائے گا کہ تم نے یہ کیا کیا کہ اپنی نیکی دوسرے کو دے دی کیا تم کو اپنی نجات کی فکر نہیں' وہ عرض کرے گا کہ الٰہی! میرے پاس صرف ایک ہی نیکی تھی۔ میں جانتا تھا کہ قاعدہ کے موافق تو میں جہنمی ہوں اور یہ نیکی میرے واسطے کارآمد نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر حق تعالیٰ اپنے فضل سے بخش دیں تو اور بات ہے مگر جب میری بخشش صرف فضل حق پر موقوف ہے اور میں اپنے عمل سے نہیں بخشا جاسکتا تو اس غریب کی بھی کیوں امید توڑ دوں۔ میں نے وہ نیکی اس مسلمان بھائی کو دے دی کہ اس کی تو مغفرت ہوجائے گی' میرا معاملہ رحمت حق کے سپرد ہے تو وہ شخص اپنی اس سخاوت پر بخش دیا جائے گا۔

صاحبو! وہ عجیب دربار ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر بخشش ہوجاتی ہے۔ ایک اور شخص کا قصہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی ماسوائے کہ اس نے ایک دن راستہ میں سے کانٹا ہٹا دیا تھا جو ظاہر ہے کہ بہت ہی ذرا سی بات ہے مگر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی قدر ہوئی اور اس کو اسی بات پر بخش دیا گیا۔ صاحبو! نیک کام کو چاہے کتنا ہی ذرا سا ہو حقیر نہ سمجھو۔ بعض دفعہ ذرا سی بات قبول ہوجاتی ہے اور بڑے بڑے عمل جن پر ناز تھا' رکھے رہ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو' انہوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں' توحید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ تو جھوٹا ہے' توحید بھی تیری درست نہیں۔ "اذکر لیلۃ اللبن" دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز

www.besturdubooks.net

دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو انہوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ پینے سے درد ہو گیا تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو مؤثر قرار دیا حالانکہ مؤثر ہم ہیں۔ یہ کیسی توحید ہے جب توحید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دوزخ کے مستحق ہو چکے کیونکہ تمہارے اقرار میں تمہارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو! ہم تم کو کس بات پر بخشتے ہیں۔ ایک رات کو تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کر لی اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عمل تھا مگر کبھی حق تعالیٰ بدوں عمل کے صرف ظاہری صورت پر بخش دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ ہیں، قاضی یحییٰ بن اکثم جو بخاریؒ کے شیخ ہیں۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے اور عتاب آمیز سوال ہو رہا ہے اور وہ چپ خاموش کھڑے ہیں۔ جب عتاب ہو چکا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو حدیث میں پڑھا کرتا تھا کہ "ان اللّٰہ یستحیی من ذی الشیبة المسلم"[1] کہ حق تعالیٰ شانہ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتے ہیں اور اس کو بخش دیتے ہیں مگر یہاں تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جاؤ اگرچہ نیکی کچھ نہیں مگر تمہارے بڑھاپے پر رحم کر کے تم کو بخش دیا جاتا ہے۔ ہمارے رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ بے شک ہم کو بوڑھے آدمی پر رحم آتا ہے۔ اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دلم میدہد وقت ایں امید　　　　کہ حق شرم دارد زموئے سفید

(میرا دل ایسے وقت یہ امید دلاتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ سفید بالوں سے شرم رکھتے ہیں)

اس سے زیادہ حیرت انگیز دوسری حکایات ہیں کہ یہاں تو قاضی یحییٰ بن اکثم واقعی بوڑھے تھے۔ ایک مسخرہ جوان کی حکایت ہے کہ جب مرنے لگا تو اس کو اپنی حالت پر خوف تھا کیونکہ عمل صالحہ کچھ نہ کیا تھا۔ اس نے یہ وصیت کی کہ جب مجھ کو غسل وکفن دے چکو تو میری داڑھی پر ذرا سا آٹا چھڑک دینا۔ چنانچہ ورثاء نے وصیت پوری کی۔ اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس سے سوال ہوا کہ تو نے یہ وصیت کیوں کی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ یا اللّٰہ میرے پاس عمل تو کچھ تھا نہیں، اس لیے اپنی حالت پر اندیشہ تھا اور یہ حدیث میں نے سنی تھی۔ "ان اللّٰہ یستحیی من ذی الشیبة المسلم" کہ خدا بوڑھے مسلمان سے شرماتا ہے، قسمت سے میں بوڑھا بھی نہ تھا اور

[1] (مجمع الزوائد للهيثمي ۱۰:۱۴۹، کنز العمال: ۴۲۶۴۴، جمع الجوامع للسيوطي ۲۵۶۰، السنة لابن ابی عاصم ۱:۲٦)

www.besturdubooks.net

بوڑھا بننا اپنے اختیار میں نہ تھا' تو میں نے یہ وصیت کی کہ میرے بالوں میں آٹا لگا دینا کہ بوڑھوں کی سی صورت تو ہو جائے۔ بس اتنی بات پر وہ شخص بخش دیا گیا۔ سچ کہا ہے کہ

رحمت حق بہانہ می جوید (اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)

یہ تو حکایتیں اہل کشف کی ہیں جو خود حجت شرعیہ نہیں مگر حدیث میں بھی ان کی اصل موجود ہے۔ چنانچہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو صرف راستہ میں سے کانٹا ہٹا دینے پر بخش دیا گیا۔ جب ان کی اصل حدیث میں موجود ہے تو پھر ان کشفیات کو بھی تائید میں بیان کرنا صحیح ہو گیا کیونکہ کشف کا بھی حکم ہے کہ اگر حدیث وقرآن کے موافق ہو تو قبول ہے ورنہ رد ہے۔

﴿یہاں تک بیان نماز جمعہ سے پہلے ہوا اس کے بعد حضرت مولانا نے نماز جمعہ پڑھائی۔ بعد نماز کے پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا ۱۲ جامع﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعْدُ!

میں اس بات کو بیان کر رہا تھا کہ نیکیوں کی قدر ہم کو وہاں جا کر ہوگی اس لیے کہ یہ آخرت ہی کا سکہ ہے۔ وہیں اس کا کارآمد ہونا معلوم ہوگا۔ یہاں تو نیکیوں پر کوئی رقم نہیں ملتی اس لیے لوگوں کو اس کی قدر نہیں ہوتی مگر مرنے کے بعد سب کو قدر معلوم ہو جائے گی اور میں نے احادیث سے اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ وہاں ذرا ذرا سی نیکی بھی کارآمد ہے جس کی آج ہم کو قدر نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کا بے سمجھے ہوئے پڑھنا بھی بیکار نہیں کیونکہ اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو ایسی چیز بیکار کیوں کر ہو سکتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف تلاوت کر لینا کافی ہے۔ فہم معنی کی ضرورت نہیں ورنہ شاید کوئی حافظ صاحب خوش ہو جاتے کہ بس ہم مولویوں سے بھی بڑھ گئے۔ سو یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ اگرچہ الفاظ قرآن پر اس قدر ثواب ملتا ہے مگر ظاہر ہے کہ مقصود صرف یہی ثواب الفاظ کا تو نہیں' بڑا مقصود وہی ہے کہ معنی سمجھ کر اس کے موافق عمل کرنا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ صرف ترجمہ بھی کافی نہیں جب تک کہ اس میں تدبر نہ ہو کیونکہ سمجھنا یہی ہے کہ جس پر اصل مقصود یعنی عمل موقوف ہے۔

اسی طرح ان آیتوں کا مضمون بھی اگرچہ کان میں پڑا ہوا ہے مگر جب تک کہ تدبر نہ ہو وہ سننا

www.besturdubooks.net

مفید نہیں۔ ترجمہ تو کفار بھی سمجھ جاتے تھے اور ہم سے زیادہ سمجھتے تھے مگر ان کو کچھ نفع ہوا؟ کچھ بھی نہیں کیونکہ اس میں تدبر نہیں کیا تھا جس پر عمل مرتب ہوتا۔ سرسری طور پر سنا گیا تھا اس لیے اس مضمون کو اہتمام سے دوبارہ اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے اور اس کے موافق عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ثمرہ نیت

ان آیتوں میں جن کو میں نے تلاوت کیا تھا ایک بہت بڑی چیز کا ذکر ہے اگر چہ وہ بظاہر چھوٹی معلوم ہو یعنی اس میں دنیا اور آخرت کے ساتھ ارادہ کو متعلق کرنے کا ثمرہ بتلایا گیا ہے کہ دنیا کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا ثمرہ ہے اور آخرت کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا نفع ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ غرض ان آیتوں میں ارادہ کا ذکر ہے۔ اس امر کی تعیین کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ واقعی یہ ایسی چیز ہے جس کو ہم بہت ہی معمولی اور سرسری سمجھتے ہیں مگر یہ سرسری چیز ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی کہ دیکھنے میں تو ذرا سی چیز ہے مگر گھڑی کے چلنے کا دارومدار اسی پر ہے اور وجہ اس بے قدری کی یہ ہے کہ ارادہ ایک موجود غیر حسی ہے اس لیے ہم کو اس کی قدر نہیں مگر واقع میں فکر و ارادہ وہ چیز ہے جس کے ترک کر دینے سے ہمارے سب حال بگڑ گئے اور بہت سے اللہ والوں کے حالات و مقامات اس کی بدولت درست ہو گئے۔ صاحبو! ارادہ بہت بڑی چیز ہے اس کو حقیر نہ سمجھا جائے' دنیا کے بھی سارے کام اس کی بدولت چلتے ہیں' یہ بہت بڑی قوت ہے جو انسان میں رکھی ہوئی ہے۔ ایک مثال سے آپ اس کو واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص کو جاڑے کے موسم میں اس حالت میں کہ بارش بھی ہو رہی ہے اور سردی بھی بہت ہے۔ گھر کے اندر بیٹھے بیٹھے پیاس معلوم ہوئی اور پیاس بہت شدید معلوم ہوئی مگر بوجہ تند ہوا کے باہر آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اس درمیان میں اس کے پاس حاکم کا حکم پہنچا کہ اسی وقت فلاں جگہ آ کر جو کہ شہر سے بہت فاصلہ پر ہے ہم سے ملو۔ اب غور کیجئے کہ یا تو یہ شخص اس سردی کی حالت میں اندر سے صحن تک بھی نہیں آ سکتا تھا' اب وہ کونسی چیز ہے جو اس کو گھر کے اندر سے صحن تک اور صحن سے گھر کے باہر اور وہاں سے شہر کے باہر کئی میل تک بارش اور سردی میں لے جاتی ہے۔ وہ صرف قوت ارادہ ہی ہے کہ پہلے ارادہ نہ ہوا تھا کیونکہ پیاس کوئی قوی محرک نہ تھی اور اب ارادہ ہو گیا کیونکہ حکم حاکم بوجہ کسی قسم کی رغبت یا رہبت کے قوی محرک ہے جس نے اس کی قوت ارادہ کو حرکت دے دی ہے اور یہ کمبل لے کر تمام مصائب کو برداشت کرتا ہوا حاکم تک جا پہنچتا ہے۔

www.besturdubooks.net

اب ارادہ کی قوت معلوم کر کے جانو کہ ارادہ فی نفسہ نہ کوئی بری شے ہے نہ اچھی۔ یہ اپنے حسن و قبح میں موقوف ہے اپنے مضاف الیہ پر یعنی مراد پر۔ اگر اچھے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ عمدہ ہے اور برے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ برا ہے' اچھے ارادہ پر ثواب ملے گا اور برے ارادے پر اگر عمل ہو جائے گا تو گناہ لکھا جائے گا۔ اس سے بھی ارادہ کی عظمت معلوم ہوگئی کیونکہ کسی عمل پر جزا و سزا بدوں ارادہ کے مرتب نہیں ہوتی اور ارادہ پر بدوں عمل کے بھی گناہ و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اگر بدوں ارادہ کے کوئی گناہ بھول چوک سے ہوگیا تو وہ معاف ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا. (البقرہ ۲۸۶)

یعنی بندوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ اس طرح دعا کیا کرو۔ "یا اللہ! ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہم سے مواخذہ نہ کیا جائے۔" اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اواخر سورہ بقرہ کی دعائیں مقبول ہوگئیں۔ یعنی بھول چوک پر مواخذہ نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں اس کو صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ "رفع عن امتی الخطاء والنسیان"[۱] کہ میری اُمت سے خطا و نسیان معاف کر دیا گیا اور بعض اعمال میں تو سب لوگ جانتے ہیں کہ بدوں ارادہ کے عمل معتبر نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز بدوں نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔ نیت کا نام ہی تو ارادہ ہے اگر بدوں اس ارادہ کے کوئی تمام دن نمازیں پڑھتا رہے تو سب فضول ہیں اور اگر نیت کر کے دو رکعت بھی پڑھ لے وہ صحیح ہیں۔ ارادہ ہی کی وجہ سے قتل خطا و عمد میں شریعت نے فرق کیا ہے۔ اگر قصداً کسی کو قتل کیا گیا تو اس میں گناہ بھی بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال تھا کہ قتل عمد کے لیے توبہ بھی نہیں۔ اگر چہ جمہور نے اس کو رد کیا ہے اور صورت میں قاتل پر قصاص بھی آیا ہے کہ مقتول کے عوض اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر خطاء بھول چوک سے قتل ہوگیا اور قتل کا ارادہ نہ تھا۔ مثلاً تیر شکار پر چلایا تھا کسی آدمی کے لگ گیا اور وہ مر گیا تو اس صورت میں گناہ بھی نہیں ہوتا نہ قصاص آتا ہے صرف دیت آتی ہے۔ نیز اگر کسی معصیت کا پختہ عزم ہو جائے تو گناہ فوراً لکھا جاتا ہے اور اگر بدوں ارادہ کے غلطی اور خطا سے گناہ ہوگیا تو کچھ بھی گناہ نہیں ہوتا' وہ معاف ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ارادہ سبب غالب ہے' اس عمل کے ہو جانے کا اور ایسے سبب کے لیے حکم مسبب کا ہوا کرتا ہے۔

مثلاً سنکھیا سبب غالب ہے ہلاکت کا تو اگر کوئی شخص بے قاعدہ بلا مشورہ طبیب خودکشی کی نیت

---

[۱] (تلخیص الخبیر لابن حجر ا:۲۸۱' کنز العمال:۱۰۳۰۷' اصلاح خطاء المحدثین للخطابی:۶' الدر المنتثرہ فی الاحادیث المشتھرۃ للسیوطی:۸۷' تذکرۃ الموضوعات للفتنی:۹۱)

www.besturdubooks.net

سے سنکھیا تولہ بھر کھالے تو چاہے بعد میں دست وقے کرا کے اس کی جان بچ بھی جائے تب بھی اس کو گناہ خودکشی کا ہوگیا کیونکہ اس نے تو کوئی کسر جان ہلاک کرنے میں نہ رکھی تھی۔ یہ اتفاقی بات تھی کہ وہ اس کے بعد بھی بچ گیا۔ اسی طرح جب کسی شخص نے پختہ ارادہ کرلیا کسی گناہ کا تو گویا اس نے اس کے کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی کیونکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ پختہ ارادہ کے بعد عمل ہو ہی جایا کرتا ہے۔ یوں کبھی اتفاقاً نہ ہوا تو یہ نادر ہے۔ ''والنادر کالمعدوم'' اس لیے یہ شخص ارادہ پختہ کرلینے سے ایسے سبب کا مرتکب ہوگیا جو اکثر مفضی الی المسبب ہوجاتا ہے اس لیے گناہ کا مستحق ہوگیا۔ اسی طرح کسی شخص نے نیک کام کا قصد کیا تو وہ ثواب کا مستحق ہوگیا کیونکہ سبب کے بعد اکثر کام ہوجاتا ہے۔ کبھی نہ ہونا اتفاقی بات ہے لہٰذا وہ مثل کرنے والے کے سمجھا جائے گا اور اس کو اس عمل کا ثواب مل جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ ارادہ کتنی بڑی چیز ہے جو کہ عمل کے وجود کے لیے سبب غالب ہے جس کے بعد اکثر کام ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ شریعت میں اس کو عمل ہی کے مثل شمار کیا گیا ہے۔

ہمت وقدرت

اس کی مسلمانوں میں آج کل بہت ہی کمی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم نے بہت ہی کرنا چاہا مگر نہیں ہوا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ صرف تمنا ہی تمنا کی۔ ارادہ اس کا نام ہے کہ جس اختیاری کام کا خیال کرتے ہیں اسی کی دھن لگ جائے اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کردے' ایسا کر کے پھر کوئی بتلائے کہ کام نہیں ہوا اور اس کے بعد بھی کام نہ ہوا کرے تو دنیا کا کام کیوں کر چلے۔ اس لیے جو شخص یوں کہے کہ میں نے ارادہ کیا اور پھر بھی کام نہیں ہوا میں اس کی بات کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ بلکہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم نے اس کام کی تمنا تو کی ارادہ نہیں کیا۔ ایک شخص میرے پاس آئے جو بوڑھے ہوگئے تھے مگر نظر بد کے مرض میں مبتلا تھے۔ آج کل لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جوانی میں گناہ نہیں چھوٹتے تو بڑھاپے میں جا کر چھوٹ جائیں گے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو گناہ جوانی میں نہیں چھوٹا وہ بڑھاپے میں کبھی نہیں چھوٹے گا۔

درختے کہ اکنوں گرفت ست پائے ٭ نیروئے شخصے برآید زجائے
اگر ہمچناں روزگارے ہلی ٭ گر دونش ازبیخ برنگلی

(وہ درخت جس نے ابھی جڑ پکڑی ہے ایک شخص کی طاقت سے اکھڑ سکتا ہے۔ اگر ایسے ہی وقت گزرتا گیا تو چرخی کی مدد سے بھی جڑ سے نہ نکالا جاسکے گا)

سو جو گناہ اب جوانی میں نہ چھوٹا حالانکہ ابھی اس کی جڑ کمزور ہے تو بڑھاپے میں کیا خاک

www.besturdubooks.net

چھوٹے گا جبکہ جڑیں مضبوط ہو جائیں گی اور چاروں طرف پھیل جائیں گی۔ نیز ایک بات تجربہ کی یہ ہے کہ ہمیشہ عفت جوان آدمی کی قوی ہوتی ہے کیونکہ جس طرح جوانی میں تقاضا زیادہ ہوتا ہے اس کے روکنے کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور بڑھاپے میں یاد رکھئے کہ تقاضا کم نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا مگر تقاضے میں کمی نہیں آتی اور اس کے تقاضے کو روکنے والی قوت کم ہو جاتی ہے تو اور بھی کچھ نہ ہو نظر بد میں تو وہ شخص مبتلا رہے گا ہی۔ خصوصاً جبکہ عورتیں اس کی نظر سے احتراز بھی نہیں کرتیں۔ چنانچہ بوڑھے آدمی سے پردہ بھی کم کرتی ہیں بہت سے بہت وہ فعل نہ کر سکے گا مگر میں کہہ چکا ہوں کہ مدار معصیت ارادہ پر ہے۔ جب ایک شخص نے معصیت کا پختہ ارادہ کر لیا اور پھر بوجہ ناکارہ ہونے کے اسے پورا نہ کر سکا تو گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔

غرض وہ بوڑھے شخص مجھ سے ملے کہ اس کی کوئی سہل تدبیر بتلاؤ کہ میں اس مرض سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا کہ سہل کی قید سے تو یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ آج آپ مرض کے ازالہ کی سہل تدبیر پوچھتے ہیں کل کو اس تدبیر کو سہل کرنے کے لیے اگر وہ سہل نہ معلوم ہوئی' دوسری تدبیر پوچھیں گے' اس میں کچھ دشواری پیش آئی تو پھر اس کی سہولت کے لیے اور تدبیر پوچھیں گے۔ اس طرح تو مرض کا علاج نہیں ہو سکتا' بس سہولت کی فکر نہ کیجئے۔ بجز ہمت کے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایک دفعہ پختہ عزم کر لیجئے کہ چاہے کتنی ہی تکلیف ہو ہرگز نگاہ اوپر کو نہ اٹھاؤں گا اور جو بھی اٹھ جائے تو فوراً نیچی کر لیجئے۔ اس ترکیب سے ان شاء اللہ مرض زائل ہو جائے گا۔ اس کے بدوں زوال ممکن نہیں وہ کہنے لگا کہ میں چھوڑنے پر قادر ہی نہیں' ہمت کیسے کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ یہ آپ غلط کہتے ہیں۔ آپ یقیناً چھوڑنے پر قادر ہیں اور دلیل سے میں نے ان کو سمجھا دیا کہ آپ قادر ہیں' وہ دلیل یہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ کا ایک طرف تو یہ ارشاد ہے:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا. (البقرہ آیت نمبر ۲۸۶)

کہ حق تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔

دوسری طرف یہ ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ. (النور۔ آیت نمبر ۳۰)

کہ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔

ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ نگاہ نیچی کرنے پر بندہ قادر ہے اس لیے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کا کوئی حکم طاقت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ میرے سامنے تو وہ اس

www.besturdubooks.net

دلیل میں تاویلیں نکالتے رہے مگر گھر جا کر جوانہوں نے اس میں غور کیا اور خط بھیجا کہ واقعی میں غلطی پر تھا' انسان ہر گناہ سے بچنے پر قادر ہے۔ البتہ پہلے پہل کلفت ضرور ہوتی ہے اس کے بعد یہ کلفت کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پھر عادت ہو جاتی ہے۔

صاحبو! انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آ سکتا ہے۔
صاحبو! تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں ایک ملائکہ کا اور ایک شیاطین کا اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے اور دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے اور ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تو لشکر ملائکہ پسپا ہو گیا۔ اب وہ غالب نہیں ہو سکتا اور اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لیا تو لشکر شیطان مغلوب ہو گیا۔ اب وہ کبھی غلبہ نہیں کر سکتا۔ افسوس! آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

ظلمت معصیت

صاحبو! آپ عاجز ہرگز نہیں' ہاں یوں کہئے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں' گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی کیونکہ دیکھئے گناہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کہ صرف شریعت مقدسہ میں حرام ہیں دوسرے وہ جو کہ قانون اور شریعت دونوں کے اعتبار سے ناجائز ہیں۔ بتلایئے! ان گناہوں میں آپ کیا برتاؤ کر رہے ہیں جو کہ قانون کی رو سے ناجائز ہیں اور موجب سزا ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب اس سے اجتناب کریں گے' ڈاکہ کوئی نہیں مارتا' چوری شریف آدمی بالکل نہیں کرتے' یہاں تک کہ راستوں میں پیشاب تک نہیں کرتے کیونکہ قانوناً جرم ہے۔ کیوں صاحب اگر کوئی ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بدوں ڈاکہ کے پال نہیں سکتا تھا اس لیے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کرے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا؟ یا چور یہی عذر کرنے لگے تو کیا اس کو رہا کر دیا جائے گا؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے کہ ہم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے تم نے خلاف قانون کام کیا ہے تم کو پھانسی دی جائے گی۔

اے اللہ کے بندو! ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا۔ وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمانا چاہیے۔ آج کل لوگ بہت بے باک ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ صاحب کیا

www.besturdubooks.net

کریں' مجبور ہیں' بدوں سود اور رشوت کے خرچ نہیں چلتا اور علماء کو تنگ کرتے ہیں کہ اس مجبوری پر نظر کریں۔ ان کو بھی یہ حق ہے کہ ایک حاکم سلطنت کی طرح وہ بھی صاف جواب دے دیں کہ ہم نہیں جانتے خرچ چلے یا نہ چلے۔ شریعت مقدسہ نے اس کو حرام کیا ہے چھوڑنا پڑے گا ورنہ گنہگار ہو گے اور فاسق فاجر کے خطاب کے مستحق ہو گے۔ آج کل لوگ علماء کو مجبور کرتے ہیں کہ سود کے جواز کے فتوے دو اور یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ جواز کے فتوے دے بھی دیں گے تو وہ بھی آپ ہی کے شمار میں ہو جائیں گے بلکہ ان کی آپ سے بھی زیادہ گردن نپے گی۔ بھلا کسی مولوی کے جائز کرنے سے کوئی حرام کام حلال ہو سکتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ عوام مسلمان جن کو ذرا شریعت کا پاس ہے ان مولوی صاحب ہی کو چھوڑ دیں گے۔

صاحبو! اول تو علماء اس کے ذمہ دار نہیں کہ آپ کا خرچ چلتا ہے یا نہیں۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم ہے اس کو ماننا پڑے گا۔ دوسرے یہ عذر بھی بالکل غلط ہے کہ ہم سے گزر نہیں ہو سکتا۔ گزر ہو سکتا ہے مگر فضولیات کو حذف کر دو' فیشن نہ رکھو' کپڑا سستا پہنو' غرض جائز آمدنی کے موافق خرچ رکھو۔ دیکھو گزر ہوتا ہے یا نہیں مگر یہ فضولیات تو چھوڑتے نہیں' پھر کہتے ہیں کہ گزر نہیں ہو سکتا۔ یوں کہیے کہ سود اور رشوت کے بغیر عیش پرستی نہیں ہو سکتی اس کو ہم بھی تسلیم کریں گے مگر عیش پرستی کی فکر کی شریعت میں خود ممانعت ہے اس کی ذمہ دار شریعت کیوں کر ہو سکتی ہے اور جس کو گزر کرنا ہو وہ حلال روزی میں یقیناً گزر کر سکتا ہے۔ البتہ ظاہراً اس میں لوگوں کی نگاہوں سے قدرے سبکی ہو گی۔ سو اول تو یہ بھی خیال غلط ہے ایسے شخص کی قلوب میں بڑی وقعت ہوتی ہے۔ حکام بھی ایسے شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہم نے فرض کیا کہ سبکی ہی ہوتی ہے مگر اس کو گوارا کرنا چاہیے اور خیال کرنا چاہیے کہ اگر ہم سود یا رشوت لیں گے تو آخرت میں سبکی ہو گی۔ جب حشر کی سبکی کا خیال دل میں ہو گا اس سبکی پر نظر نہ جائے گی اور اس کی پرواہ بھی نہ ہو گی۔ واللہ! ہم لوگ آخرت کو بھولے ہوئے ہیں ورنہ یہ عذر کبھی زبان پر نہ لاتے۔

اچھا صاحبو! یہ عذر آپ کا بدوں اس کے گزر نہیں ہو سکتا۔ اگر مان بھی لیا جائے تو یہ بھی صرف انہیں گناہوں میں چل سکتا ہے جن کے چھوڑنے میں آمدنی کا نقصان ہوتا ہے۔ جیسے سود یا رشوت۔ مگر پھر سوال یہ ہے کہ جن گناہوں کے چھوڑنے میں آمدنی کا نقصان نہیں ہوتا وہ کیوں کیے جاتے ہیں جیسے جھوٹ' غیبت' مسلمان آدمی کو خواہ مخواہ ستانا اور نظر بند۔ کیا نگاہ بد سے بھی کچھ غلبہ بڑھ جاتا ہے؟ جس کے چھوڑنے سے وہ مقدار غلہ کی کم ہو جائے گی۔ آخر ان گناہوں کے کرنے میں آپ کو

www.besturdubooks.net

کون سی مجبوری ہے؟ اوران سے بچنے میں کون سا نقصان ہے؟ ان کو چھوڑنے میں آپ کیا عذر کریں گے؟ بلکہ احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے روزی کم ہو جاتی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے:"ان العبد لیحرم الرزق بخطیئة یعملها"[1] گناہ سے زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ گناہ کرنے سے راحت اور چین گنہگار کو نصیب نہیں ہوتا جبکہ اہل طاعت کے دل میں بے چینی کا نام نہیں ہوتا۔ جب دنیا ہی میں گناہوں سے یہ عذاب ہو رہا ہے پھر نہ معلوم گناہ کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ واللہ! مسلمان کو تو گناہ کچھ بھی مزہ نہیں دیتا' کافر تو بے فکر ہو کر گناہ کرتا ہے کیونکہ اسے آخرت کا یقین نہیں مگر مسلمان کو تو گناہ کرتے وقت بھی مزا نہیں آتا۔ بار بار دل میں خوف خدا سے خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ شخص غفور الرحیم کے مضمون کو آڑ بنا کر اس خطرہ کو ٹالتا ہے۔ غرض ایک کشمکش میں دل پڑ جاتا ہے پھر ایسی حالت میں گناہ کا کیا لطف کم بخت آئے گا؟ وہی مثل ہے گناہ اور بے لذت۔

اور اس بارے میں کہ اللہ غفور الرحیم ہے آج کل بالکل غلط معنی لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہ سے جو ضرر ہوتا ہے وہ ضرر بھی نہ پایا جائے۔ اگر غفور الرحیم ہونے کے یہ معنی ہیں تو کوئی صاحب ہمت کر کے سنکھیا تو کھالیں اگر غفور الرحیم ہونے کے......... یہی معنی ہیں کہ مضر شے کا ضرر زائل ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ سنکھیا کھالیں تو وہ بھی ضرر نہ کرے حالانکہ وہ ضرر ضرور کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ معنی اس کے نہیں' پس نہ معلوم گناہوں کی بابت یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ اس اعتقاد کے بعد وہ ضرر بھی نہیں کریں گے۔ صاحبو! گناہ کی ظلمت تو ضرور پیدا ہوگی اور اس ظلمت کے ساتھ دخول جنت مشکل۔ پس یا تو خدا بعد میں سچی توبہ کی توفیق دے اور یہ توبہ ایسی جرأت کرنے والوں کو بہت کم نصیب ہوتی ہے ورنہ اس ظلمت کو دور کرنے کے لیے عذاب جہنم موجود ہے۔ الا ان یرحم بفضلہ جب اعتقاد غفور الرحیم سے دنیا کا ضرر رفع نہیں ہوتا تو یہ بڑی سخت غلطی ہے کہ اس اعتقاد سے آخرت کا ضرر مرتب نہ ہونا سمجھ لیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں ارادہ کا بیان ہے اور متعلق کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ محمودہ و مذمومہ' ان دونوں کے احکام اس آیت میں مذکور ہیں اور اس وقت میں انہیں کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنئے۔

---

[1] (ان العبد لیحرم الرزق بالذنب یصیبه' مسند احمد بن حنبل ۵: ۲۸۰' ۲۸۲' اتحاف السادة المتقین للزبیدی ۵: ۳۰' ۸: ۶۱۷' تفسیر ابن کثیر ۴: ۳۹۹' ۵۳۱' ۸: ۲۳' ۲۴۲' الدر المنثور للسیوطیؒ ۲: ۳۳۳' جامع مسانیه ابی حنیفه ۱: ۱۳۱)

www.besturdubooks.net

اہمیت نیت

حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا. (بنی اسرائیل: ۱۸، ۱۹)

یعنی جو کوئی عاجلہ کا یعنی دنیا کا ارادہ کرتا ہے اس کو ہم جلدی اسی جگہ جو چاہیں اور جس کے لیے چاہیں دے دیتے ہیں۔ ذرا قیوم پر غور کیجئے کہ دنیا کے طالب کو دنیا عطا فرمانے کا پختہ وعدہ نہیں فرماتے بلکہ اتنی قیدیں ہیں کہ "مانشاء لمن نرید" کہ جتنا ہم چاہیں اور جس کے لیے چاہیں عطا کردیں گے۔ معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا کا مراد کو پہنچنا لازم اور ضروری نہیں اور اگر دنیا کے دینے کا پختہ وعدہ بھی ہوتا۔ جب بھی تو وہ لینے کے قابل نہ تھی اور میں اس کو دلیل سے بتلاتا ہوں۔

دیکھیے! اگر ایک شخص کو دو مکان دکھلائے جائیں ایک خستہ و خراب، دوسرا نہایت عمدہ اور یہ کہہ دیں کہ خراب تو اسی وقت تم کو مل سکتا ہے اور بعد ایک ماہ کے واپس لے لیا جائے گا اور دوسرا اس وقت نہیں مل سکتا۔ بعد ایک ماہ کے بعد ملے گا اور وہ واپس نہیں کیا جائے گا اور دونوں اکٹھے مل نہیں سکتے۔ تو بتلائیے اس صورت میں کیا کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی اس ویران کو اختیار نہ کرے گا۔ اس فیصلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ عمدہ ہی گھر لینا چاہیے گو بعد مدت ملے۔ صاحبو! اس شخص کو تو آپ جج بن کر یہی فیصلہ سنائیں گے کہ ویران گھر کو ہرگز اختیار نہ کرے مگر جب یہی معاملہ آپ کے ساتھ ہوا تو اپنے اس فیصلہ کو بھول گئے۔

صاحبو! حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے سامنے دو گھر پیش کردیئے ہیں ایک دنیا جو کہ اسی وقت مل سکتی ہے مگر بعد چندے چھین لی جائے گی اور خراب و خستہ و فانی بھی ہے۔ دوسرا گھر آخرت ہے جو عمدہ ہے اور باقی رہنے والا ہے یہاں آپ نے آخرت کو کیوں اختیار نہیں کیا؟ گزشتہ مثال میں تو ایک ماہ کی بھی مہلت تھی اور یہاں کچھ بھی میعاد نہیں۔ شاید "ہمیں نفس نفس واپسیں بود" (شاید یہی سانس تیری زندگی کا آخری سانس ہو) زندگی کا کیا اعتبار ہے ایک منٹ کا بھی بھروسہ نہیں۔ طاعون کا حال معلوم ہے کہ کس طرح دفعۃً مخلوق کا صفایا کردیتا ہے۔ کل کا مرنے والا آج کیا جانے کہ میں کب مروں گا وہ تو آج بہت کچھ امیدیں اپنے دل میں کرتا ہوگا مگر اسے موت کی کچھ بھی خبر نہیں کہ سر پر آچکی ہے تو یہاں دنیا کی میعاد ایک مہینہ کیا ایک ہفتہ کیا ایک دن بھی نہیں ہے۔

www.besturdubooks.net

ہر سیکنڈ میں خطرہ ہے کہ اسی وقت ختم ہو جائے تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایسا گھر جس کی اتنی کم میعاد ہو اور فنا ہونے والا ہو اور جس کی کوئی راحت بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ آپ نے اختیار کیا اور آخرت کو جس کے ملنے کے لیے ایک سانس کی دیر ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا اور اس میں راحت ہی راحت ہے۔ تکلیف کا نام بھی نہیں' آپ نے چھوڑ دی۔ حالانکہ اگر ایسی صورت کوئی دوسرا شخص آپ سے پوچھنے آئے تو آپ اس کو یہی رائے دیں گے کہ خراب' خستہ' فانی چیز ہرگز لینے کے قابل نہیں' میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ دنیا کو بالکل چھوڑ دیجئے' شکایت اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔

غرض یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ دنیا کے ملنے کا اگر پختہ وعدہ بھی ہوتا' تب بھی وہ لینے کے قابل نہ تھی۔ چہ جائیکہ اس کے دینے کا پورا وعدہ بھی نہیں' پھر حالت یہ ہے کہ دنیائے فانی کو اختیار کرنے سے بعض اوقات آخرت کا حصہ بالکل نہیں ملتا۔ جیسے کہ کفار کو اور آخرت اختیار کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ دنیا بالکل نہ ملے بلکہ آخرت اختیار کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے اگر چہ اتنا فرق ہے کہ آخرت والے کو دنیا کم ملتی ہے اور دوسروں کو زیادہ اور یہ فرق بھی صرف ظاہر ہی میں ہے۔ غریب لوگ امیروں سے زیادہ کھاتے ہیں اور سب ہضم کر لیتے ہیں' صحت اچھی رہتی ہے' خوش و خرم رہتے ہیں' درد سر اور زکام و نزلہ کو جانتے بھی نہیں۔ امیروں کو آئے دن مسہل لینے پڑتے ہیں۔

ایک غریب آدمی کی کسی رئیس سے دوستی تھی۔ غریب آدمی بہت موٹا تازہ تھا اور رئیس صاحب دبلے پتلے بیمار سے رہتے تھے۔ ایک دن اس رئیس صاحب نے اپنے غریب دوست سے کہا کہ یار یوں تو تم غریب ہو مگر دیکھنے میں مجھ سے زیادہ موٹے ہو ایسی تم کیا غذا کھاتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں تم سے زیادہ کھانا کھاتا ہوں اور ہر مہینے نیا نکاح کرتا ہوں۔ امیر نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس نے کہا کہ مذاق کی کیا بات ہے' کل کو تمہاری دعوت ہے' امیر نے قبول کر لی اور بڑی حیرت ہوئی۔ دوسرے دن جب کھانے کا وقت ہوا وہ امیر صاحب غریب دوست کے گھر پہنچے تو اس نے باتیں شروع کیں' باتوں باتوں میں بہت دیر ہو گئی۔ ان رئیس صاحب نے کھانے کا تقاضا کیا' اس نے ٹال دیا کہ ابھی تیار نہیں ہوا۔ ذرا سی دیر ہے اور پھر باتوں میں لگا لیا۔ یہاں تک رئیس صاحب کا مارے بھوک کے برا حال ہو گیا اور بار بار تقاضا کیا۔ جب اس نے برا حال دیکھا تو یہ کہا کہ تازہ کھانا تو ابھی تیار نہیں ہوا' باسی روٹی رکھی ہے اور ساگ ہے کہو تو لاؤں؟ اس نے کہا جو کچھ ہو لے آؤ' باتیں نہ بناؤ۔ چنانچہ وہ باسی روٹی اور ساگ لے آیا اور ان رئیس صاحب نے اندھے باؤلوں کی طرح اسے کھانا شروع کیا' ہر لقمہ پر سبحان

www.besturdubooks.net

اللہ کہتے جاتے۔ جب وہ پیٹ بھر کر کھا چکے تو نفیس کھانے بھی اس نے پیش کیے مگر چونکہ وہ خوب سیر ہو کر کھا چکے تھے اب عذر کر دیا۔ اس نے کہا کہ کھائیے یہ بہت لذیذ ہیں۔ امیر بولا بس جی! اس سے زیادہ لذیذ نہیں، غریب دوست بولا کہ جناب وہ لذیذ کھانا یہی ہے، بھوک میں باسی کھانا جو ہم کھاتے ہیں تو تمہارے پلاؤ سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے ہی رہتے ہو۔ میرا یہی مطلب تھا وہ رئیس صاحب مان گئے کہ واقعی تم لوگ ہم سے زیادہ اچھا کھانا کھاتے ہو۔

پھر پوچھا کہ لذیذ کھانے کا مطلب تو معلوم ہو گیا۔ اب یہ بتلاؤ کہ ہر مہینہ نکاح تم کیسے کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کے پاس مہینہ میں ایک بار جاتا ہوں جبکہ طبیعت میں پوری طرح رغبت ہوتی ہے اور شہوت جوش میں ہوتی ہے۔ تم لوگوں کی طرح روزانہ یا دوسرے تیسرے نہیں جاتا۔ پس مجھے ہر مہینے ویسا ہی لطف آتا ہے جیسا کہ نئے نکاح میں آتا ہے اور تم کو تو سوچ اور فکر سے شہوت کو برانگیختہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے تمہیں کچھ لطف نہیں آتا۔ وہ رئیس صاحب مان گئے کہ واقعی تمہاری دونوں باتیں سچی تھیں اور تم لوگ ہم سے زیادہ لطف میں ہو تو غریبوں کو جتنا ملتا ہے، حلاوت کے ساتھ وہ اسے کھاتے ہیں۔ ہاں! خدا اس سے تو بچائے کہ کھانے ہی کو نہ ملے اور فاقہ کی نوبت آئے مگر حسب ضرورت ملنے کے بعد غریب آدمی زیادہ حلاوت سے کھاتا ہے، کام کاج کر کے بھوکا، تھکا ماندہ شوق و رغبت سے کھاتا ہے اور امیر لوگ تو کمیٹی اور مشورہ کے بعد کھانا کھاتے ہیں کہ پہلے خادم آیا کہ میاں کھانا تیار ہے، جواب دیدیا کہ بھوک نہیں، پھر ایک دوسرا آیا کہ حضور! فاقہ اچھا نہیں، کچھ تو نوش جان فرمالیجئے، یار دوستوں کے کہنے سننے کے بعد وہ کچھ زہر مار کرتے ہیں کیونکہ بے بھوک کھایا ہوا تو زہر ہی ہو کر لگے گا۔ صاحبو! اگر تم کو امیروں کی تکلیف کا حال معلوم ہو جائے تو تم امیری سے پناہ مانگو اور اگر امیروں کو تمہاری راحت کا حال معلوم ہو جائے تو وہ غریبی کی تمنا کرنے لگیں مگر پہلے وہ بات پیدا کرلو جس سے غریبی میں لطف آئے۔ یعنی قناعت اور کفایت علی الضروریات۔ آپ کو تو کھا رکھا ہے تکلف نے اور وضع نے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ قرض کی نوبت آتی ہے اور پریشانی رہتی ہے۔ اگر تکلف اور پابندی وضع نہ ہو بلکہ جیسا جس وقت حال ہو اسی کے موافق چال چلن ہو تو کبھی پریشانی پاس نہ آئے۔

بے تکلفی کا ایک عجیب واقعہ میں سناتا ہوں۔ ہمارے قصبہ کے قریب ایک قصبہ ہے اس میں ایک حکیم صاحب رہتے ہیں جو ہمارے حضرات ہی کی اولاد میں ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ان کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے بے تکلف چپکے سے آکر مولانا سے

www.besturdubooks.net

عرض کیا کہ یہاں آپ کے بہت معتقد ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو کہیں دعوت کا ڈھنگ ڈالوں کیونکہ میرے یہاں تو آج فاقہ ہے۔ دیکھئے ذرا بھی ان پر مولانا کی تشریف آوری کا اتنا بار نہ ہوا کہ کہیں سے ادھار لے کر دعوت کرنے کا خیال کرتے۔ جب اپنے گھر میں فاقہ تھا تو مہمان سے صاف کہہ دیا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی کیا اچھے مہمان تھے' فرمایا: بھائی! میں تو تیرا مہمان ہوں' جب تیرے گھر میں فاقہ ہے تو میں فاقہ ہی سے رہوں گا۔ خبردار! کسی سے دعوت کا تذکرہ نہ کرنا۔ صبح سے شام ہوگئی اور سارا گھر فاقہ سے بے فکر رہا۔ یہاں تک کہ مغرب کے وقت ایک مریض آیا اور حکیم صاحب کو گیارہ روپے دے گیا۔ اس وقت حکیم صاحب نے آکر مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جی! آپ کی دعوت کے لیے خدا نے گیارہ روپے بھیج دیئے۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی کھانے میں تکلف نہ کرنا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت یہ مجھ سے نہ ہوگا' جب نہیں تھا میں نے آپ سے فاقہ تک کرالیا اور اب جب کہ خدا نے آپ کی برکت سے یہ روپے بھیج دیئے تو اب میں کھانا عمدہ پکواؤں گا۔ چنانچہ پلاؤ وغیرہ تیار کرایا اور خوب مزے سے کھایا۔

ایک شخص نے ایک اور عجیب حکایت بیان کی کہ میں اپنے ایک دوست کے یہاں الہ آباد میں مہمان ہوا تو ایک روز اس کے بچے بڑی خوشیاں کر رہے تھے کہ آہا جی! ہمارے یہاں شیخ جی آئے' وہ شخص کہتے تھے کہ میں سمجھا کہ شاید کوئی بزرگ آئے ہوں گے۔ دیر تک اسی کا منتظر رہا کہ ان بزرگ کی میں بھی زیارت کروں مگر جب دیر ہوگئی اور نہ کوئی بزرگ آئے اور نہ ان کا سامان آتا نظر آیا اور کھانے کا وقت بھی گزر گیا تو میں نے دریافت کیا کہ یہ بچے شیخ جی کسے کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ آج اس گھر میں فاقہ ہے۔ ان لوگوں نے فاقہ کا نام شیخ جی رکھا ہے۔ جب فاقہ ہوتا ہے تو بچوں کو بہلا دیتے ہیں کہ آج شیخ جی آئے ہیں' روٹی نہیں ملے گی' بچے ایسی خوشی سے رہتے ہیں کہ ان کو فاقہ سے رنج نہیں ہوتا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانہ ہے صبر و استقلال کا کہ بڑے تو بڑے بچے تک بھی پریشان نہ ہوتے تھے۔

غرض یہ بات واضح ہوگئی کہ آخرت کے لیے کوشش کرنے والوں کو دنیا بھی بقدر ضرورت و آسائش ملتی ہے۔ گو زیادہ نہ ملے مگر وہ اس تھوڑی ہی دنیا سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں کہ طالبان دنیا کو باوجود کثرت مال کے وہ لطف حاصل نہیں ہوتا مگر طلب دنیا کے ساتھ آخرت اس طرح نہیں مل سکتی تو اب بتلایئے کہ طالب دنیا ہونا عقلمندی ہے یا طالب آخرت ہونا حالانکہ آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی حقیر ہے کہ اگر آخرت سے محروی کی صورت میں اس کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی ہوتا جب بھی وہ لینے کے قابل نہ تھی۔ چہ جائیکہ آخرت چھوڑ کر دنیا

www.besturdubooks.net

کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی نہ ہو کیونکہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا. (بنی اسرائیل:۱۸،۱۹)

"یعنی جو کوئی دنیائے عاجلہ کا ارادہ طلب کرے ہم اس کو دنیا ہی میں فی الحال جس قدر چاہتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر اس کے لیے جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ برائی اور ذلت کے ساتھ داخل ہوگا اور جو لوگ کہ آخرت کا ارادہ کریں اور اس کے لیے سعی کریں جو اس کے لیے ہوا کرتی ہے۔ درآں حالیکہ وہ مومن بھی ہوں تو ان لوگوں کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔"

دنیا و آخرت

اب ذرا دونوں مضامین میں غور کیا جائے کہ طلب دنیا طلب آخرت دونوں کے ثمرات کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ طالب دنیا کی بابت تو ارشاد ہے: "عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ" یعنی ہم طالبان دنیا میں جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے بلکہ حق تعالیٰ چاہیں گے تو دے دیں گے۔

اور طالبان آخرت کے متعلق ارشاد ہے: "فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا" کہ جو آخرت کی طلب، کوشش عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے احترازی نہیں اور یہ دراصل بیان ہے من ارادہ الآخرۃ کا کہ ارادہ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو کیونکہ اس کے بدوں طلب آخرت سمجھتے ہیں مگر عمل صالح نہیں کرتے کہ دراصل یہ لوگ طالب آخرت ہی نہیں، طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کیا جائے اور میں نے یہ مضمون کہ "وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ" قید واقعی ہے اس لیے بیان کیا تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادہ آخرت کے متعلق مذکور ہے وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے اور دعویٰ تمہارا ارادہ آخرت کے ثمرہ کا ہے تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ قید واقعی ہے اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادہ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ

www.besturdubooks.net

ہے کہ ارادہ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے تا کہ اس کے بعد آخرت کی طلب کرنے کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو، بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادہ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی اور ارادہ دنیا کو ہر شخص سمجھتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

پس ارادہ دنیا و آخرت میں ایک فرق یہاں یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے اور طلب آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے، وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔ دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے جو اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا۔ ممکن ہے کہ کسی نے لکھا بھی ہو، وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں تعلق شرط کا جزاء کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ارادہ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ

یہ صیغہ استمرار ہے۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کو طلب کرتا ہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے تب کچھ ملتا ہے اور ارادہ آخرت کے متعلق من ارادہ بدوں لفظ کان کے ارشاد فرمایا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمرہ اخروی حاصل ہونے کے لیے طلب میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب مستمر نہیں ہوتا۔ کچھ دنوں کے بعد ارادہ طلب زائل ہو جاتا ہے، نہیں! حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے مگر تھوڑی سی سعی و طلب کے بعد وہ حکم میں مستمر کے ہو جاتا ہے کیونکہ محبت الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے، اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدوں اختیار کے پیدا ہو رہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوب سرکار ہے۔ اس میں سعی کرنے والے کی اس طرف سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

من تقرب الی شبرا جنت الیه ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا ومن اتانی یمشی اتیته هرولة.[1]

۱؎ (مسند احمد بن حنبل ۲:۴۱۳، ۳:۴۰، الترغیب والترهیب للمنذری ۴:۱۰۴، مجمع الزوائد للهیثمی ۱۰:۱۹۶، ۱۹۷، کنز العمال: ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ۱۱:۱۵، اتحاف السادة المتقین للزبیدی ۵:۷۷، ۲۲۱)

www.besturdubooks.net

''اور دنیا مردود بارگاہ الٰہی ہے اس میں ہمیشہ دقت وتعب ہی رہتا ہے اس کے لیے ہمیشہ اہتمام وانہماک از خود کرنا پڑتا ہے اور یہ طلب ہمیشہ بتکلف از سرنو پیدا کرنا پڑتی ہے۔''

پس حقیقتاً تو دونوں ارادے مستمر ہوتے ہیں مگر بوجہ سہولت واعانت غیبی کے ارادہ آخرت گویا مستمر نہیں رہا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے اور ارادہ دنیا حقیقتاً اور حکم دونوں کے اعتبار سے مستمر ہے اس لیے اس کے ساتھ کان استمرار کے لیے بڑھایا گیا اور ارادہ آخرت کے بیان میں کان نہیں بڑھایا گیا اور شرح اس سہولت واعانت کی یہ ہے کہ طلب آخرت میں قدرے سعی کرنے سے جب نسبت مع اللہ پیدا ہو جاتی ہے تو اس سے ایک کیف اور حال ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے اسی کو عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صنمارہ قلندر سزا وار بمن نمائی　　　　که دراز ودور دیدم رہ و رسم پارسائی

(طریق زہد بہت خشک اور دور دراز کا راستہ ہے مجھے تو آپ طریق عشق میں چلائے)

رہ قلندر سے یہی طریق عشق ونسبت مع اللہ مراد ہے اور رسم پارسائی سے وہ طریق عبادت جو بدوں نسبت ومحبت ہو مراد ہے جس میں اعمال کی یہ حالت ہوتی ہے جو بعد میں مذکور ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　　　تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

بز میں چو سجدہ کردم مذز میں ندا برآمد　　　　کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

(میں خانہ کعبہ کے لیے طواف کو گیا تو حرم نے مجھ کو راستہ نہ دیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر کیا کیا جو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے اور جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے ریاء کا سجدہ کر کے مجھے خراب کیا)

وہ کیف نسبت مع اللہ کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے' کام کرنا کچھ دشوار نہیں رہتا اور اس طریق میں کچھ باطنی مشقت بھی پیش آتی ہے مگر وہ اس سے بددل نہیں ہوتے بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے اسی کی بابت ارشاد ہے کہ ''از محبت تلخہا شیریں بود''

(محبت میں تلخیاں شیریں معلوم ہوتی ہیں)

اور ارشاد ہے کہ:

ناخوش تو خوش بود بر جان من !　　　　دل فدائے یار دل رنجان من !

(محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اس پر دل قربان کرتا ہوں)

www.besturdubooks.net

اور کہا گیا ہے کہ

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ محبوب کی تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے)

اور کہا ہے کہ

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں یہ آپ کی عطاء ہے اور قتل کریں میں آپ پر فدا ہوں جو کچھ کریں میں راضی ہوں کیونکہ میرا دل آپ پر فدا ہے)

اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں یعنی موت وہ بھی ان کے لیے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تمنائیں کرتے ہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں:

خرم آں روز کریں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم و زپے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے — تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

(اگر محبت کی تمہارے یہاں یہی قدر و منزلت ہے تو بے شک میں نے اپنی زندگی کے دن ضائع کیے)

شاید کوئی صاحب یہ کہیں کہ یہ سب باتیں موت کی تمنا کی پہلے ہی ہوں گی جب موت آئی ہوگی۔ اس وقت حقیقت معلوم ہوئی ہوگی تو یہ خیال غلط ہے۔ ابن فارض رحمتہ اللہ علیہ نے عین موت کے وقت دکھلا دیا کہ اہل نسبت مرتے وقت کیسے مطمئن ہوتے ہیں ان کا واقعہ ہے کہ جب مرنے لگے تو آٹھوں جنتیں ان کے سامنے پیش کر دی گئیں تو انہوں نے جنتوں سے منہ پھیر لیا اور یہ شعر اسی وقت پڑھا:

ان كان منزلتي في الحب عندكم — ماقدرأيت فقد ضيعت ايامي

کہ اگر میری اس محبت کی یہی قدر تھی جو میں دیکھ رہا ہوں کہ جنتیں میرے سامنے کر دی گئیں تو میں نے اپنے دن ہی ضائع کیے۔ یعنی میں نے تو محبت اس کے واسطے نہیں کی تھی۔ میں تو کسی اور چیز کا طالب ہوں یہ کہتے ہی آٹھوں جنتیں چھپا دی گئیں اور ایک خاص تجلی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوئی۔ اسی کے ساتھ جان پرواز کر گئی۔ اسی مضمون کو قلندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد — تا نہ بینم رخ تو روح ندہم

(مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے رخ انوار کو نہ دیکھنے دیں اور نہ کانوں کو اس کی باتیں سننے

www.besturdubooks.net

دیں اگر میری جان نکالنے کے لیے ملک الموت آ جائے تو جب تک تیرا پرتو نہ دیکھوں جان نہ نکالنے دوں گا)

یعنی اگر ملک الموت میری جان قبض کرنے آئیں تو جب تک تجلی خاص نہ دیکھ لوں گا جان نہ نکلنے دوں گا۔ حق تعالیٰ رحم فرمائے ابن فارضؒ پر۔ انہوں نے اس حالت کو کر کے دکھلا دیا کہ بدوں تجلی خاص کے چلنے پر راضی نہ ہوئے اسی لیے میں کہتا تھا کہ طالب آخرت کا ارادہ اگرچہ مستمر ضرور ہوتا ہے مگر بوجہ سہولت واعانت غیبی کے گویا وہ بالکل ارادہ ہی نہیں کرتا۔ سب کام بدوں اس کے ارادہ کے ہوتا رہتا ہے اور میرا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کبھی گناہ نہیں ہوتا یا یہ معصوم ہیں' نہیں! بلکہ تقاضا معصیت کا ان کو بھی ہوتا ہے کیونکہ نفس ان کے ساتھ بھی ہے مگر ان کے تقاضے کی اور دوسروں کے تقاضے کی ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک تو شائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ وہ نہ مارنے سے سیدھا ہوتا ہے نہ چمکارنے سے۔ جب وہ شرارت کرتا ہے سوار کو پٹخ دیتا ہے اور زین کو بھی پھینک دیتا ہے تو اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ گھوڑا شائستہ ہونے کے بعد بھی کبھی شرارت کرنے پر آتا ہے مگر وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اہل نسبت کی ایسی ہی مثال ہے' یہی لوگ ہیں جو پل صراط پر برق کی طرح جائیں گے کیونکہ پل صراط جیسا کہ اہل کشف نے لکھا ہے کہ شریعت کی صورت مثالی ہے جو لوگ دنیا میں شریعت پر بسہولت چلتے تھے اور شریعت پر چلنا ان کو آسان اور ایسا خوشگوار ہو گیا تھا جیسا کہ دوسروں کو کھانا' پینا' سونا وہ لوگ پل صراط سے بھی باآسانی گزر جائیں گے۔ پس مضمون مقصود ختم ہو چکا' اب اس آیت میں چند نکات سمجھئے جو اس وقت ذہن میں ہیں ان کو بیان کر کے بس بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

رموز ونکات

ایک نکتہ یہ ہے کہ طالبین دنیا کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے۔ "عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ" کہ طالبین دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبین آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا "اعطیناہ مایشآء" کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے کیونکہ جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے تو بظاہر اس کے مقابل طالبین آخرت کے لیے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے مگر بخلاف اس کے اس آیت میں "مایشآء" نہیں فرمایا گیا بلکہ بجائے اس کے "أُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا" فرمایا گیا۔ تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی بلکہ وعدہ گھٹ جاتا کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے:

www.besturdubooks.net

مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔[1]

''یعنی نہ ان کو آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔''

تو بتلایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طالبین آخرت کو جو کچھ وہ چاہیں گے' دیا جائے گا اس سے زیادتی ہوتی یا کمی؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انہوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو خطرہ بھی نہیں ہوسکتا اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں۔ فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے' خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے۔ اسی کے بارے میں مولاناؒ کا ارشاد ہے:

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را   کہ بیک گل مے خری گلزار را

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے پورا باغ خرید لو' آدمی جان لیتے ہیں اور سو جان عطا کرتے ہیں' جو وہم وگمان میں بھی نہیں آتا اس سے زائد عطا فرماتے ہیں)

اب آپ نے سمجھا کہ ماشاء نہ فرمانا ہی ہمارے لیے رحمت ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجمالاً فرمایا ''اُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا'' یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی۔ اسی سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدر دانی ایسے عظیم الشان قدر دان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ ملے گا۔ اس کا اندازہ اس سے کر لو کہ بادشاہ دنیا جب کسی کی قدر دانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام واکرام کریں بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام واکرام کیا کرتے ہیں جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا پھر جس کی قدر دانی حق تعالیٰ شانہ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے' اندازہ کر لو اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس وقت اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا میں ہے کہ یہ کلام اس سعی کے سہل ہونے پر دال ہے جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے کہ اس کام کے لیے جو تدبیر ہے وہ کرنی چاہیے اس تدبیر کو بیان نہ کرنا اور اجمالاً یہ کہہ دینا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کرنی چاہیے اس سے اس تدبیر کا معلوم اور سہل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ کلام یہاں پر وارد ہوا کہ ''جو لوگ طالب آخرت ہیں اور اس کے لیے وہ سعی کرتے ہیں جو اس کی سعی ہے ان کی کوشش کی قدر ہوگی'' اس طرز کلام سے اس سعی کا معلوم ہونا اور سہل ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سعی مختصر اور مشتہر ہے' بیان کی ضرورت نہیں۔

---

[1] (مسند احمد بن حنبل ۵: ۳۳۴' المستدرک للحاکم ۲: ۴۱۳' المعجم الکبیر للطبرانیؒ ۶: ۱۹۰' ۲۴۷' الدرالمنثور للسیوطیؒ ۵: ۱۷۷' الترغیب والترهیب للمنذری ۴: ۵۵۸' المصنف لابن ابی شیبة: ۱۳' تفسیر القرطبی ۱: ۷۷)

www.besturdubooks.net

تیسرا اشارہ مشکورًا میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدر دانی ہے۔ عمل کو اس میں دخل نہیں، اس سے ناز کرنے والوں کو تنبیہ مقصود ہے کہ اپنے عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہوگا ورنہ تم عمل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ وجہ یہ کہ طاعت ادائے حق خداوندی اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں اور حقوق غیر متناہی کا ادا کرنا موقوف ہے، عمل غیر متناہی پر اور ہم بوجہ حادث و متناہی ہونے کے عمل غیر متناہی سے عاجز ہیں۔ تو عقلاً انسان ادائے حق خداوندی سے عاجز ہے تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدر دانی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہوگا جو بعض رحم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لیے ہمیشہ کے لیے خلود فی النار کیوں مقرر ہوا۔ کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک یعنی دنیا کی زندگی میں اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کے جہنم۔ یہ تو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر متناہیہ کو ضائع کیا اور حقوق غیر متناہیہ پر سزا غیر متناہی موافق قاعدہ عقل کے ہے۔ غرض عمل صالح سے تو حقوق غیر متناہیہ ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہیہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ پس عمل متناہی کے بدلے جزا غیر متناہی جو مومنین کو عطا ہوگی۔ یہ البتہ عقل سے آگے ہے عقل یوں کہتی ہے کہ جب عمل متناہی ہے تو جزا بھی متناہی ہونی چاہیے۔ لوگ آج کل عقل عقل گاتے پھرتے ہیں مگر یہ عقل ان کی خیر خواہ نہیں دشمن ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے اپنی دور کی کوڑی لانے والی عقل کو کئی مرتبہ آزمایا پھر میں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا)

یہ لوگ ہمیں بے عقل بتلاتے ہیں مگر ہمیں ایسی عقل کی ضرورت نہیں اس سے ہم بے عقل ہی اچھے مگر خبر بھی ہے یہ بے عقلی کس کے لیے ہے۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم　　　　مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(اگر ہم قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی (محبوب حقیقی) اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں)

یعنی خدا کا دیوانہ ہزار عاقلوں سے بہتر ہے

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　　　(وہ دیوانہ درحقیقت دیوانہ نہیں ہے)

پس مشکورًا فرمانے سے بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا مگر یہ ہماری قدر دانی ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا۔ ہاں رحمت الٰہی ہو جائے تو اور بات ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا اور اس سوال کی ہمت بھی انہی کو تھی۔ یا رسول اللہ! ''ولا انت'' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جائیں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

www.besturdubooks.net

فرماتی ہیں کہ میرے اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف غالب ہوگیا اور آپ نے سرِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "ولا انا لا ان یتغمدنی اللّٰہ برحمتہ" کہ میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔ صاحبو! اب کس کی ہمت ہے جو اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔ ہماری تو وہ مثال ہے جو کسی بزرگ نے بیان فرمائی ہے:

چو آں کرمے کہ در سنگے نہانست زمین و آسمان دے ہمانست

(جو کیڑا پتھر کے اندر ہے وہی پتھر اس کیڑے کا زمین اور آسمان ہے)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال میں اور حکایت بیان فرمائی ہے۔ ایک بدوی کی جس نے بجز اپنے گاؤں کے گڑھوں کے کبھی پانی نہ دیکھا تھا اور قحط میں ان کے خشک ہوجانے سے دنیا سے پانی کو ناپید سمجھتا تھا کہ وہ کسی خلیفہ بغدادی کے پاس زمانہ خشک سالی میں ایک گھڑا شیریں پانی کا لے گیا تھا۔ بڑی دور دراز مسافت سے وہ گھڑا سر پر رکھے ہوئے جب پہنچا تو خلیفہ کے دربار میں اس کو پہنچا دیا گیا۔ خلیفہ کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ جنت کا پانی ہے خلیفہ نے بہت قدر دانی سے وہ گھڑا لے لیا اور حکم کیا کہ سونے سے پر کرکے اس گھڑے کو واپس کر دیا جائے اور حکم دیا کہ اس کو نہر دجلہ کی طرف سے واپس کیا جائے تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ یہ ہم نے محض اس کی محبت کی قدر کی ہے ورنہ آب شیریں کی ہمارے یہاں کمی نہیں۔

اسی طرح قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمت ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب محض قدر دانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ شانہ اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کرلیں گے اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ انعام فرمائے تھے تم نے پھر بھی نافرمانی کی فلاں گناہ کو یاد کرو تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا اس دن یہ کیا تھا۔ غرض گناہوں کی فہرست شمار فرمائیں گے۔ یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور ہر طرف سے اپنے کو جہنم کے قریب سمجھے گا۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ جاؤ ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پھر اس کے نامہ اعمال میں سے گناہوں کو محو فرمادیں گے اور ان کی جگہ اعمال حسنہ درج فرمادیں گے۔ یہ ہے "اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ" کا مضمون۔ کچھ ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو اپنی رحمت سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ فرمائیں گے بلکہ دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور یوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

صاحبو! ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں جو یوں نافرمانی

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی ۷: ۳۷۰، تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ۷: ۸۵)

www.besturdubooks.net

پر کمر بستہ ہوئے ہو۔ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو۔ بس اب میں وہ ترکیب بتلا کر جس سے حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا ہو بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

ترکیب تعلق

اس کی ترکیب یہ ہے کہ سب سے پہلے علم دین بقدر ضرورت حاصل کرو کہ بدوں اس کے خدا تعالیٰ کی خوشی و ناخوشی کا پتہ نہیں چلے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کرو کہ آئندہ گناہ نہ کریں گے اور گزشتہ گناہوں سے سچی توبہ۔ جو یہی ہے کہ آئندہ کے لیے پختہ عہد کر لیا جائے کہ اب گناہ نہ کریں گے' توبہ کے وقت عہد پختہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اگر غلطی سے عہد ٹوٹ جائے تو توبہ پھر ایسی پختگی کے ساتھ کی جائے اور اس پختہ عہد کے بعد اگر پھر گناہ ہو جائے تو صلوٰۃ التوبہ کے ساتھ توبہ کرنی چاہیے۔ خالی زبانی توبہ پر اکتفا نہ کیا جائے کہ یہ علاج ہے نفس کا جس کی اب زیادہ ضرورت ہو گئی۔ ذرا چند روز اس کا التزام کر کے تو دیکھو کہ پھر گناہوں سے طبعی نفرت ہوتی ہے نہیں۔ بڑا مجرب نسخہ ہے اور نہایت سہل کہ جب گناہ ہو جائے تو وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر توبہ کی جائے' ہر گناہ پر ایسا ہی کیا جائے۔ آخر کار گناہ سے طبعی نفرت اور طاعت کی طبعی رغبت پیدا ہو جائے گی۔

اور اس کے ساتھ ہی کسی کامل کی صحبت تلاش کرو' اہل اللہ سے ملتے رہو' ان سے اپنا حال کہو' دین میں ان سے مدد لو کہ صحبت کامل اکسیر اعظم ہے۔ یہ صحبت بجلی کی طرح اثر کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دنیا سے دل یکسو آخرت کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور سونے کے وقت دن بھر کے تمام کاموں کا حساب کیا کرو' جتنے گناہ ہو گئے ہوں ان پر نادم ہو کر استغفار کر کے سوؤ اور کچھ وقت تنہائی کا اللہ کی یاد کے واسطے نکالو۔

یہ پانچ باتیں ہوئیں۔ ان پر عمل کر کے دیکھیے ان شاء اللہ حق تعالیٰ کے ساتھ دل کو پورا لگاؤ ہو جائے گا اور اتنی سہولت کے بعد بھی کوئی نہ کرے تو ایسے ناقدرے کو خدا تعالیٰ ہی ہدایت فرمائیں۔ اب دعا کیجیے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں توفیق فرمائیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ.

www.besturdubooks.net